بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

کوسووا کا المیہ

امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

ڈاکٹر انیس احمد

دور جدید کی تاریخ میں جنگ عظیم اول دنیا کے نقشے پر ہونے والی تبدیلیوں کے حوالے سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بلقان کے علاقے نے جنگ عظیم کے واقع ہونے میں ایک بارودی سرنگ کا کام کیا تھا۔ آج جب اس واقعے کو ۸۵ برس گزر چکے ہیں تاریخ پھر ایک ایسے مقام پر پہنچ گئی ہے جہاں دوبارہ بلقان کا علاقہ عالمی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اگرچہ اس طویل تاریخی عمل میں کرداروں کے چہرے تبدیل ہو گئے ہیں' بایں ہمہ تاریخی عوامل میں غیر معمولی مماثلت نظر آ رہی ہے۔ ۱۸۷۸ کے میثاق برلن کے ذریعے یورپ سے سلطنت عثمانیہ کے اثر و نفوذ کو ختم کرنے اور نسلی بنیاد پر ریاستوں کے قیام کی مغربی حکمت عملی کا آغاز ہوا اور باہمی اختلافات کے باوجود اٹلی' روس' جرمنی' برطانیہ اور فرانس نے سلطنت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کوششوں میں مکمل تعاون اور یک جہتی کا مظاہرہ کیا۔

الکفر ملة واحدہ کے اصول کی تصدیق بوسنیا ہرزی گووینا اور کوسووا میں یورپی اقوام کے ردعمل سے بہت کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ گو انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر بعض یورپی اقوام نے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی مذمت کی' لیکن یہ مذمت کرنے والے بھی یورپ میں ایک مسلم ریاست کے قیام کو ذہناً اور عملاً ماننے کو تیار نہ ہو سکے اور اس امکان کو کمزور سے کمزور تر بنانے میں باہمی تعاون کرتے رہے۔ حالات کا تجزیہ کیا جائے تو اصل مسئلہ یہی نظر آتا ہے کہ جبر و تشدد' انتقال آبادی' سیاسی عدم استحکام' معاشی دباؤ بلکہ استحصال اور ناکہ بندی' غرض کسی بھی حربے کے ذریعے یورپ کی سرزمین میں مسلم ریاست کے

قیام کے راستے کو مسدود کیا جائے۔ اس گہرے تعصب اور عدم رواداری کی ایک اور یورپی مثال ترکی میں وزیراعظم نجم الدین اربکان اور ان کی پارٹی کے خلاف کارروائی ہے۔ ان کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ ایک ایسے ملک میں جو دستوری طور پر خود کو سیکولر کہتا ہے، انھوں نے اپنے مسلمان ہونے پر فخر کا اظہار کیا اور مسلم ممالک کے درمیان معاشی رابطے و تعاون کے اصول کو اپنانا چاہا۔ جمہوری روایات کو پامال کرتے ہوئے انھیں اقتدار سے محروم کیا گیا حتیٰ کہ تانسو چلر جیسی مغرب زدہ نائب وزیراعظم کو بھی اس حقیقت کا ادراک ہو گیا کہ ترکی اپنے سفید فام اور سیکولر ہونے کے باوجود، یورپی برادری کو اپنے یورپی ہونے پر قائل نہیں کر سکتا اور جب تک ترکوں کا رشتہ، خواہ وہ کتنا کمزور ہی کیوں نہ ہو، اسلام کے ساتھ رہے گا، یورپ انھیں غیر اور اجنبی ہی سمجھتا رہے گا۔

کوسووا چودھویں صدی میں سلطنت عثمانیہ کے زیر اثر آیا۔ ۲۸ جون ۱۳۸۹ کو عثمانیوں نے سربوں کو شکست فاش دے کر اس خطے میں اشاعت اسلام کا راستہ کھول دیا۔ یہ خطہ بھی دیگر اسلامی ممالک کی طرح رنگ، نسل اور خون کی تقسیم سے بالا ہو کر البانی، ترک اور مقامی افراد کی یکجائی کا مظہر بن گیا اور بے شمار مقامی افراد بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ ۶۰۰ سال کے عرصے میں اس خطے میں کوسووا مانٹی نیگرو، مقدونیہ اور دیگر ریاستوں میں مسلم آبادی میں نمایاں اضافہ ہوا اور آج کوسووا ۹۱ فی صد مسلمان اور صرف ۹ فی صد سرب آبادی پر مشتمل ہے۔

۱۹۱۳ میں جنگ بلقان کے نتیجے میں کوسووا ۶۰۰ سال بعد سربوں کے زیر تسلط آگیا۔ یوگوسلاویہ کی فیڈریشن بننے پر اشتراکی آمر مارشل ٹیٹو نے مسلمانوں کی تحریک آزادی کے پیش نظر کوسووا کو کنفیڈریشن میں داخلی طور پر خود مختار تسلیم کیا، لیکن ۱۹۹۰ میں حقوق انسانی کے قاتل میلاسووچ نے ترکوں کے ہاتھوں سربیا کی شکست کی چھ سو سالہ تقریب کے موقع پر تمام منتخب اداروں کے توڑنے اور اس کی خود مختاری کے خاتمے کا یکطرفہ اعلان کر دیا مگر کوسووا کے باشندوں نے اس آمرانہ فیصلے کو تسلیم نہیں کیا اور ۱۹۹۲ میں ایک ریفرنڈم کے نتیجے میں ۹۹ فی صد آبادی کی رائے اور حمایت سے آزاد جمہوریہ کوسووا کے قیام کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۹۸ میں دوبارہ انتخابات ہوئے اور ابراہیم روگووا کو صدر منتخب کیا گیا۔

سربوں نے کوسووا کے انتخاب اور ریفرنڈم کو ماننے سے انکار کیا اور کوسووا کو جارحیت، تشدد اور استحصال کا نشانہ بناتے ہوئے اپنی مسلح افواج کے ذریعے قتل و غارت، لوٹ مار، اور ظلم و جبر کے ذریعے آبادی کے انخلا کا سلسلہ شروع کر دیا۔ زبردستی ہونے والے آبادی کے اس انخلا کے بظاہر یہ مقاصد ہیں:

اول: کوسووا کے باشندوں کو البانی قرار دے کر ان کے پیدائشی انسانی حقوق سے محروم کرتے ہوئے

ملک بدر کر کے منتشر کر دیا جائے تاکہ وہ اس جلاوطنی اور انتشار (Diaspora) کے نتیجے میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں جیسا کہ فلسطینیوں کے ساتھ صیہونیوں نے کیا تھا۔

دوم: مسلمانوں کو ملک بدر کر کے سنگلاخ اور برف پوش علاقوں میں بیسیوں میل پیدل بغیر کسی غذا اور دوا کے سفر کی ابتلا و مشقت میں ڈال کر' لاکھوں افراد کو فطری طور پر زندگی سے محروم کر دیا جائے اور اگر ان میں سے کچھ زندہ بچ جائیں تو ان کے سرکاری شناختی کاغذات ان سے چھین کر یا ضائع کر کے انھیں کوسووا واپس آنے سے محروم کر دیا جائے۔

سوم: مستقبل کے نقشے کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس کے لیے بوسنیا ماڈل کا کام دے رہا ہے۔ جو کچھ بوسنیا میں ہوا وہی ضروری فرق کے ساتھ کوسووا میں کیا جا رہا ہے۔ پہلے بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا گیا۔ اس کے بعد بوسنیا کے مسلمانوں کو منتشر اور تتربتر کیا گیا اور بالآخر تین علاقوں میں آبادی کو منقسم کر کے کروشیا کے ساتھ ایک ایسے الحاق میں باندھ دیا گیا کہ مسلمان کبھی بھی غالب عنصر اور کارفرما طاقت نہ بن سکیں۔ یہ سب کچھ صلح و امن اور یورپی جمہوری اقدار کے نام پر معاہدہ ڈرامئن کے ذریعہ مسلط کیا گیا۔ بالکل اسی طرح کا نقشہ اب کوسووا کے لیے بنانے کے صرف منصوبے ہی نہیں ہیں' عملاً ان پر کام شروع ہو گیا ہے۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ کوسووا سے مسلمانوں کے اس بے بسی اور مظلومی کے ساتھ انخلا کے بعد جس کا تماشا ناٹو' مغربی اقوام اور مسلمان ممالک سب دیکھ رہے ہیں اور جس میں ہوائی حملوں کے بعد اصل تیزی آئی ہے' بلکہ ایسا لگتا ہے کہ ہوائی حملوں کے پیچھے ایک حکمت عملی یہ بھی ہے کہ اس علاقے کو پہلے مسلمانوں سے خالی کرا لیا جائے۔ ان سطور کے لکھتے وقت تک مسلمان آبادی کا ۸۰ فی صد اپنے گھربار چھوڑ چکی ہے۔ بڑی اکثریت البانیا میں پناہ گزیں ہوئی ہے جہاں ان کی حالت ناقابل بیان ہے۔ ایک حصہ مقدونیہ (Macedonia) میں نامطلوب مہمان (un wanted guest) کے طور پر گوارا کیا گیا ہے اور ان کو پناہ گزین کی صعوبتوں کے علاوہ ناپسندیدگی اور واپس جاؤ (go back) کے طعنوں کو بھی برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ کوئی دو لاکھ یورپ کے مختلف ممالک میں تتربتر کر دیے گئے ہیں' کچھ پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہیں یا خیمہ زن ہیں۔ حاصل یہ ہے پوری مسلم آبادی کو منتشر کر دیا گیا ہے۔ نہ ہوائی حملوں سے پہلے اس کی پیش بندی کی گئی کہ آبادی کی حفاظت کا اہتمام ہو' نہ ان حملوں کے شروع کرنے کے بعد ایسی زمینی کارروائی کی گئی کہ آبادی کو تحفظ دیا جا سکتا۔ سارا کھیل اس طرح کھیلا گیا کہ سرب فاشی قوتوں کو مسلمانوں کو نکالنے کی پوری مہلت مل جائے اور تاریخ انسانی میں آبادی کی سرعت ترین منتقلی عمل میں آ جائے--- یعنی دو تین ہفتوں میں ایک علاقے کی ۸۰ فی صد آبادی کا انخلا جو ۱۲ لاکھ سے متجاوز ہے!

اس انخلا اور پناہ گزینی کی صعوبتوں کے بعد ناٹو کوسووا کے تباہ شدہ علاقے بلکہ قبرستان اور کھنڈرستان

میں اپنی فوجیں بھیج کر "محفوظ علاقے" بنائے گا اور ان پناہ گاہوں (enclaves) میں تباہ شدہ مسلمانان کوسووا کو دوبارہ آشیانہ بندی کی دعوت دی جائے گی اور یہ کام مغربی این جی اوز اور اسرائیلی ماہرین کے ذریعہ انجام دیا جائے گا۔ یوں بندوبست امن کے نام پر اغلباً روس، جرمنی، قبرص اور یونان کی تحریک پر، لیکن دراصل سربوں بلکہ خود نسل کشی کے مجرم میلاسووچ کی مرضی کے مطابق ملک کی تقسیم کا ایک نیا نقشہ مسلط کر دیا جائے گا تاکہ صدیوں کے بعد مسلمانوں کے ارض بلقان میں ایک بار پھر یکجا ہو کر ایک یا ایک سے زائد مسلم ریاستوں کے قیام کے خواب کو آج ہی نہیں، مستقبل میں بھی شرمندہ تعبیر ہونے کا موقع نہ مل سکے۔ اس بندر بانٹ میں مسلمانوں کو ایسے علاقے دیے جائیں گے جو قدرتی وسائل سے محروم، صنعتی ترقی میں خام اور مواصلات اور سماجی سہولتوں کے باب میں تہی دامن ہوں۔ ان کو سب سے کم ترقی یافتہ علاقوں میں آباد کر کے معاشی، تعلیمی اور مواصلاتی معاملات میں سربوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے گا۔ ان کے ایک فوجی قوت نہ بن پانے کا اہتمام کیا جائے گا اور "حفاظت" اور "صلح کے تحفظ" کے نام پر یورپ (بشمول روس) کی عیسائی اقوام کی مستقل سرپرستی اور تحفظ (protection) کے ذریعے ان کی دائمی محکومی کا بندوبست کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ معاہدہ ڈیٹن کی ایک شق یہ بھی ہے کہ بوسنیا ہرزی گووینا سے تمام غیر ملکی مسلم مجاہدوں کو بے دخل کیا جائے گا اور آیندہ مسلمان ممالک کے مجاہدین کے آنے کا کوئی راستہ کھلا نہیں چھوڑا جائے گا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

تاریخ کا المیہ ہے کہ فلسطین میں مقامی مسلمان اور عرب آبادی کو اپنے وطن سے زبردستی نکالا گیا۔ ۳۰ سے ۴۰ لاکھ فلسطینی دنیا بھر میں بکھیر دیے گئے اور ۳۰ لاکھ یہودی دنیا بھر سے لا کر سرزمین فلسطین کے ان اصل باسیوں کی جگہ ارض فلسطین کے نئے قابض بنا دیے گئے اور اب فلسطینی ایک ایک انچ زمین کے لیے ترس رہے ہیں۔

ریاست جموں و کشمیر جس کی ۸۵ فی صد آبادی مسلمان ہے اس کے منتخب نمایندوں نے تقسیم ملک سے دو ماہ قبل ۱۷ جولائی ۱۹۴۷ کو باقاعدہ اسمبلی کے ذریعے پاکستان کے ساتھ اپنے الحاق کی قرارداد منظور کی مگر ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ بھارت کی فوج نے محض قوت کے بل پر کشمیر پر قبضے کا خونیں ڈراما رچایا۔ جموں اور کشمیر کے لاکھوں مسلمانوں کو مہاجر بنا دیا اور آج تک ان کو حق خود ارادیت سے محروم رکھا گیا ہے۔

ارض بلقان میں ان دونوں حکمت عملیوں کے امتزاج سے ایک خونیں کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ بوسنیا ہرزی گووینا ہو یا کوسووا، اور کل مقدونیہ ہو (جہاں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ایک تہائی آبادی مسلمان ہے لیکن فی الحقیقت نصف آبادی مسلمان ہے جس میں البانوی الاصل تین چوتھائی ہیں) یا سنجق (SANJAQ) (جہاں ۶۷ فی صد مسلمان ہیں)، سب جگہ ایک ہی بنیادی حکمت عملی پر عمل ہو رہا ہے،

ترتیب اجزا اور انداز تنفیذ میں تبدیلیوں کے ساتھ! میلا سووچ اور سرب اصل مجرم ہیں لیکن وہ ساری اقوام بشمول مسلمان حکمران جن کے سامنے یہ سارا کھیل کھیلا جا رہا ہے اور ناٹو (جو دعووں میں بہت تیز اور بلند بانگ مگر عمل کے میدان میں بڑی کوتاہ اور جزرس' بلکہ یہ کہنا بھی خلاف واقعہ نہ ہو گا کہ صرف وہی اقدام کرنے والی جو بالآخر اس عظیم منصوبے کے بروئے کار آنے میں ممد و معاون ہو سکیں) کیسے ذمہ داری سے بری کیے جا سکتے ہیں؟

کوسووا میں جو کچھ ہو رہا ہے' وہ یہی ہے۔ میلا سووچ نے کوسووا کی ۹۲ فی صد مسلمان آبادی اور استصواب میں ان کے ۹۹ فی صد کے باقاعدہ اظہار رائے اور باضابطہ انتخابات کے نتیجے میں رونما ہونے والے صدر اور نمایندوں کے متفقہ اعلان آزادی کو نہ صرف ٹھکرایا بلکہ ان پر ظلم و تشدد کی ایک نہ ختم ہونے والی یلغار کر دی جو ۱۹۹۲ سے آج تک جاری ہے۔ اقوام متحدہ' یورپ' مسلمان ممالک کسی نے بھی بڑھ کر ان کے آزادی کے حق کو تسلیم نہ کیا۔ اب بھی فرانس کی سرزمین پر ناٹو نے جو معاہدہ امن تشکیل دیا ہے اس میں کوسووا کو سربیا کا حصہ رکھا گیا ہے اور کوسووا لبریشن آرمی کو دباؤ کے تحت اس نیم مختاری کے مقام کو قبول کرنے پر مجبور کیا ہے جسے میلاسووچ نے ماننے سے انکار کر دیا۔ اب ناٹو کے اقدام کے بعد برق رفتاری سے' جو پہلے سے طے شدہ منصوبے اور انتظامات کے بغیر ممکن نہ تھی' اس نے اہل کوسووا کو اپنے گھروں سے نکال کر دنیا بھر میں منتشر کر دیا ہے۔ کل اگر کوئی نام نہاد محفوظ علاقے بن بھی جاتے ہیں اور ۵۰ ہزار سے ایک لاکھ مسلمانوں کی شہادت اور ۱۲ لاکھ افراد کے بے گھر اور بے سروسامان ہونے اور اپنی عمر بھر کی پونجی لٹا دینے اور در در کی بھیک مانگنے کے بعد ان مظلوم اور بے بس انسانوں کو اپنے ہی لٹے ہوئے اور جلے ہوئے آشیانے پر واپس بھی لے آیا جاتا ہے تو حاصل کیا ہوا---- چند نام نہاد محفوظ علاقے جو کبھی تاریخی وطن نہ بن سکیں' جن کی مستقل محتاجی بیرونی طاقتوں پر ہو' جو ترقی کے لیے پھر سربوں ہی کی طرف دیکھنے کے لیے مجبور ہوں۔ گویا ہمیشہ کے لیے اپنے ہی گھروں میں قید کی زندگی گزارنے کو تیار ہوں! کیا یہ ہے اس تباہی کا حاصل؟ کیا یہ ہے وہ نئی دنیا جسے بنانے کے لیے ناٹو فوجی طاقت استعمال کر رہا ہے اور ان تین ہفتوں میں ۶ بلین ڈالر خرچ کر چکا ہے جبکہ کوسووا کے مسلمان بے گھر بھی ہوئے اور نان جویں کے لیے بھی دوسروں کے آگے بے کسی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔

ان حقائق کی پشت پر جو تضادات ہیں ان پر بھی نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ ان کی کوئی عقلی تعبیر یا توجیہ بظاہر مشکل نظر آتی ہے۔ عموماً مغرب اپنی وسیع المشربی' رواداری اور جمہوری اقدار کو اپنا مذہب قرار دینے کے لیے مشہور سمجھا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ تعدد یعنی pluralism پر ایمان

رکھتا ہے اور ایک سے زائد ثقافتوں اور مذاہب کو بہ یک وقت درست سمجھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء میں جب اس صدی کا سب سے اہم واقعہ یعنی نظریاتی بنیاد پر پاکستان کا قیام بطور ایک اسلامی ریاست کے ہوتا ہے' تو بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر اسے توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے اور آخر کار جب ۱۹۷۱ء میں یہ ریاست دو حصوں میں بٹ جاتی ہے تب بھی بقیہ ملک کو غیر مستحکم کرنے کے لیے تخریبی قوتوں کی حمایت کی جاتی ہے۔ پاکستان ہی نہیں' الجزائر ہو یا افغانستان' جب بھی سیاسی عمل اور جمہوریت کے ذریعے اسلامی تحریکوں کے برسر اقتدار آنے کا کوئی امکان نظر آیا ہے' مغرب کے نام نہاد جمہوریت پرست افراد نے ہمیشہ اسلامی عناصر کا راستہ روکنا چاہا ہے۔ بوسنیا ہرزی گووینا کے مسلمانوں کا واحد جرم یہی تو تھا کہ جب انھیں اپنے مسلمان ہونے کا احساس ہوا تو انھوں نے یورپ میں ایک عادلانہ جمہوری ریاست قائم کرنا چاہی لیکن یورپ نے اپنے تعدد (pluralism) کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود ایک مسلم ریاست کے قیام کو اپنے لیے خطرہ سمجھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کا ضمیر اپنے کثیر المذہبی سیکولرازم (Secular and Religious Pluralism) کو "مقدس" قرار دینے کے باوجود اپنے مادہ پرستانہ نظام کے مقابلے میں اپنی جغرافیائی حدود میں کسی دوسرے تصور ریاست کو برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ قرآن کریم نے بالکل درست فرمایا تھا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۔ آخر کار منکرین نے اپنے رسولوں سے کہہ دیا کہ یا تو تمھیں ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا ورنہ ہم تمھیں اپنے ملک سے نکال دیں گے (ابراھیم ۱۴:۱۳)۔

اسلامی تحریکوں کی تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں' نسلیت و عصبیت سے بلند ہو کر توحید خالص کی دعوت پیش کی گئی طاغوت نے یہی کہا کہ یا تو ہمارے رنگ میں رنگ جاؤ' ہوا کے رخ پر چلو' دنیا کے نام نہاد یک قطبی اجارہ داروں سے دوستی و تعلق پیدا کرو' ورنہ تمھیں خود تمھارے اپنے ملک میں اجنبی بنا دیا جائے گا یا ملک سے باہر نکال پھینکا جائے گا۔ انسانی حقوق کی پامالی کے مجرم میلا سووچ کا عقیدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ فرد جس کو اپنی رگوں میں مسلمان خون ہونے کا احساس ہے' کوسووا میں چھ سو سال رہنے کے باوجود اجنبی البانی ہے! ہاں اگر اس کا خون سفید ہو جائے اور وہ نسلی طور پر سربوں کی افضیلت و فوقیت کو تسلیم کر لے تو اسے دوبارہ انسان کا مرتبہ دیا جا سکتا ہے۔

سرب دہشت گرد میلا سووچ کا یہ فلسفہ دلچسپ ہے کہ تقریباً چھ سو سال سے کوسووا میں بسنے والے مسلمان محض اس بنا پر کہ ان میں سے کچھ کے آبا و اجداد کے خون میں ترک خون شامل تھا اور وہ البانیہ کے راستے یہاں آکر مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے' انھیں قیامت تک کوسووا کا باشندہ تسلیم نہیں کیا جائے

گا اور جب چاہے انھیں ملک بدر کر کے ان کی شہریت کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس اصول کو درست مان لیا جائے تو جو لوگ اپنے آپ کو امریکی کہتے ہیں فی الحقیقت ان میں سے کوئی بھی امریکی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ ابھی سوا دو سو سال ہی کی تو بات ہے کہ یہ افراد آئرلینڈ' برطانیہ' فرانس' جرمن' اسپین اور افریقہ کے مسلم علاقوں سے آ کر امریکہ میں آباد ہوئے۔ ان سب کے آبا و اجداد کا خون نسلی طور پر خالص نہ تھا۔ کیا صرف اس بنا پر آج تک جتنے صدر اور عوامی نمایندے کانگرس میں منتخب ہوئے غیر امریکی قرار دیے جا سکتے ہیں؟

کوسووا مغرب کی متعصب طاقتوں کے ہاتھوں انسانی حقوق کی پامالی کی بدترین مثال ہے لیکن امت مسلمہ کے لیے اس میں غور کرنے کے کئی اہم پہلو ہیں۔

ہمیں خود احتسابی کر کے یہ دیکھنا چاہیے کہ ۱۹۹۲ سے آج تک سات سال کے عرصے میں جو تحریر دیوار پر صاف نظر آ رہی تھی اور جو صورت حال اتنی خراب ہو چکی تھی کہ گویا بارود میں محض ایک دیا سلائی دکھانے کی دیر ہو' اسے دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود ہم نے سات سال کے عرصے میں اپنا فریضہ کس حد تک ادا کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امت مسلمہ کو ایک جسد واحد بنانا چاہا تھا۔ کیا ہم نے آپ کے ارشاد کی پیروی میں ان مظلوموں کی فکر کی یا انھیں مستضعفین فی الارض بننے دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: مومنین کی مثال آپس میں محبت' رحم اور ہمدردی میں ایک جسم کی طرح ہے۔ اگر (اس جسم) کے ایک عضو میں درد ہو تو پورا بدن بے خوابی اور درد کو محسوس کرے گا۔

آج کوسووا جل رہا ہے' لہولہان ہے اور اس کے جسم سے بہنے والا ہر قطرہ احد احد کی آواز کے ساتھ گر کر زمین میں جذب ہو رہا ہے۔ خون کی کثرت نے سطح زمین کی سنگلاخی کو ایک دلدل میں بدل دیا ہے۔ کیا ان گہرے زخموں کی تکلیف کو جو امت مسلمہ کے عضو عضو پر لگے ہیں' ہم حدیث نبویؐ کی روشنی میں اپنے قلب میں محسوس کر رہے ہیں۔ کیا مسلم حکمران اور ادارے اس نازک موقع پر حرکت میں آئے ہیں؟ کیا اس امت مسلمہ نے جو محض ایک شہر گجرات میں پاکستان اور بھارت کے درمیان کرکٹ میچ کے لیے ۲۵ لاکھ کی رقم جمع کر سکتی ہے اور دوبئی میں لہو و لعب کی محفلیں گرم کر سکتی ہے' اس نازک مرحلے پر اس نے اپنے فرض کو محسوس کیا ہے۔ کیا ملک عزیز کی دینی جماعتوں نے اپنا فرض ادا کرنے کی جانب قدم اٹھائے ہیں؟

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بزعم خویش یہ سمجھتے رہیں کہ ہم ایٹمی طاقت بھی ہیں اور تعداد کے لحاظ سے بھی دنیا کا پانچواں حصہ ہیں' اس لیے کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا' جب کہ ہماری اصل کیفیت سمندر کے

جھاگ کی سی ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: عنقریب اقوام عالم تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کہا گیا کہ کیا اس روز ہم لوگ تعداد میں بہت تھوڑے ہوں گے، فرمایا نہیں بلکہ تم اس روز تعداد میں بہت زیادہ ہو گے لیکن تمھاری مثال پانی کی سطح پر بہنے والی جھاگ کی طرح ہو گی۔ اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کے دلوں سے تمھاری ہیبت نکال دے گا اور تمھارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔ پوچھا گیا کہ کمزوری کیا چیز ہے یارسولؐ اللہ؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے فرار۔

اگر امت مسلمہ کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا تو کیا اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے؟ ان حالات میں اسلام کے علم برداروں کا فریضہ کیا ہے؟ انھیں اپنے حقیقی دشمن کو پہچاننا چاہیے اور عالمی نظام سرمایہ داری کے طاغوت اور استحصالی نظام کو اپنا ہدف بنانا چاہیے۔ معرکہ حق و باطل میں جب شیطانی قوتیں معاشی، سیاسی، معاشرتی، ثقافتی اور ابلاغ عامہ کے ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے امت مسلمہ کے ہر عضو پر ضرب لگا رہی ہوں تو اگرچہ بیانات قراردادوں، مظاہروں اور نعروں کے ذریعے احتجاج کرنا بھی ضروری ہے لیکن مسئلے کے حل کے لیے عملی اور موثر اقدامات کرنا ناگزیر ہے۔ فی الحقیقت ہمیں ایک ایسے ہمہ گیر انقلاب کی ضرورت ہے جو فکر و عمل کو، خاندان کو، معاشرے کو اور آخرکار نظام حیات کے ہر گوشے کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لے آئے۔

میلاسووچ کی شکل میں نسلی عصبیت کا عفریت یورپ کے مسلمانوں کو محض اس بنا پر مٹا دینے کے درپے ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ دوسری طرف مسلمان ممالک میں یہ بولہبی، کہیں ایسے آمروں کی شکل میں اور کہیں ایسے فاشسٹ نظاموں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جو بظاہر ہمہ وقت جمہوریت کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں لیکن جب چاہیں عوامی جذبات و احساسات اور ملکی مفادات کے خلاف عوام الناس پر جبر و تشدد کرنے، انھیں زد و کوب کرنے، ان پر لاٹھیوں کی بارش اور زہریلی گیس استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ایسے حالات کوسووا میں ہوں یا اپنے وطن عزیز میں، اسلامی تحریکوں کا لائحہ عمل حسنات اور اچھائیوں سے سیئات اور برائیوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ تحریک اسلامی کی اصل ڈھال صبر اور تقویٰ ہیں اسے جہاں کہیں بھی ابتلا و آزمایش کا سامنا ہوتا ہے اخلاق اور اخلاص عمل ہی اس کا اسلحہ اور فتح و کامرانی کا ذریعہ ہیں۔

کوسووا میں ظلم کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ان مظلوم بھائیوں اور بہنوں سے اظہار یک جہتی کے لیے ان کی انسانی، مالی، سیاسی اور مادی امداد دل کھول کر کی جائے۔ ایک عام شہری اگر اور کچھ نہیں کر سکتا تو کم از کم ہر سربراہ خاندان یہ تو کر سکتا ہے کہ وہ جو کچھ اپنے خاندان پر ایک ہفتہ میں خرچ کرتا

ہے اس کا نصف یعنی صرف ۳ دن میں ہونے والے خرچ کو اللہ کی راہ میں کوسووا کے مظلوموں کی امداد کے لیے دے دے۔ مدیران جرائد و اخبارات کا فرض ہے کہ اپنے قارئین کو اس مسئلے کی سنگینی سے مطلع کریں، ساتھ وہ اپنے اخبار میں بلامعاوضہ ایسے اشتہار شائع کریں جن میں امداد کی اپیل ہو۔ غیر سرکاری تنظیموں کا فرض ہے کہ وہ طبی اور مادی امداد کی فراہمی کا بندوبست کریں۔ ارباب حکومت کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف خود مالی اور مادی امداد فراہم کریں بلکہ قومی ایئر لائن کے ذریعے تمام امدادی سامان مفت بھجوائیں۔ ان قلیل المیعاد اقدامات کے ساتھ ہی اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ کوسووا کے مظلوم مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے ایک طویل المیعاد منصوبہ بنایا جائے جس میں تعلیم، تربیت، معاشرت، معیشت، دفاع غرض ہر میدان میں ان کی امداد میں اپنے حصے پر غور کیا جائے۔ اشتراکی آمریت کے دور میں مسلمانوں کو بہت سے شعبوں میں ترقی کے مواقع نہیں ملے اور جب تک ان تمام شعبوں میں وہ قیادت کے مقام تک نہ پہنچیں مسائل کا حل نہیں ہو سکتا۔

یہ درست ہے کہ جہاد بالسیف افضل ترین جہاد ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت وہ کلید ہے جو شاہراہ ترقی و فلاح تک لے جاتی ہے۔ اسلام ہم سے توازن و عدل کا مطالبہ کرتا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عسکری تیاری کے ساتھ ساتھ تعلیم، سائنس، معیشت و معاشرت اور ثقافت ہر میدان میں محنت و کوشش سے علمی و فنی کمال حاصل کیا جائے۔ نہ صرف کوسووا کے لیے بلکہ یورپ میں مسلمانوں کی قیادت کے لیے اس کے بغیر عسکری فتح ناکافی ہو گی۔ اب جب کہ کوسووا کے مسلمانوں کے اندر کا مسلمان جاگ اٹھا ہے اور: ع

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے

تو اسے صحیح انداز میں تعلیم و تربیت کے ذریعے ایسے شاہین میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے جو مغرب کی ذہنی و ثقافتی غلامی سے آزاد ہو کر توحید خالص کی بنیاد پر ایک عادلانہ نظام کے قیام کا ذریعہ بن سکے۔